محمد جعفر پھلواروی

قرآن اور عقل

دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس نے عقل سے کام لینے پر اتنا زور دیا ہو جتنا قرآن نے دیا ہے۔ اس نے کئی پہلوؤں سے اور کئی لفظوں سے عقل کو کام میں لیتے رہنے کی ترغیب دی ہے مثلاً:

۱: لفظ حکمۃ .... ویعلمهم الکتٰب والحکمۃ۔ یہ رسول تمہیں کتاب اور دانائی (حکمت) کی تعلیم دیتا ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اُسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں۔

۲: لفظ لُبّ سے .... وما یذکر الا اولوا الالباب اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۳: لفظ بصارت سے ...... فاعتبروا یا اولی الابصار عقل والو! عبرت حاصل کرو۔ افلا تبصرون۔ تم بصیرت سے کام نہیں لیتے!!

۴: لفظ فقہ سے .... لو کانوا یفقهون۔ کاش یہ سمجھ سے کام لیتے!

۵: لفظ شعور سے .... وما یشعرون یہ شعور سے کام نہیں لیتے۔

۶: لفظ عقل سے .... افلا تعقلون تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

۷: لفظ تدبّر اور لفظ تفکّر سے .... افلا یتدبرون القرآن قرآن پر غور نہیں کرتے۔ لقوم یتفکرون یہ قرآن غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہے۔

ان کے علاوہ لفظ قلب سے مراد بھی ایسی محویت ہے جو عقل سے کام لے۔ لهم قلوب لا یفقهون بها کہ ان کے دل ایسے ہوں جن سے وہ عقل کا کام لیں

ان مثالوں میں سے ہر ایک کے تیور بتا رہے ہیں کہ قرآن عقل پیدا کرنے پر پورا زور صرف کر رہا ہے لیکن اس سے بہت زیادہ زوردار اور بہت زیادہ صاف لفظوں میں سننا چاہتے ہوں تو ان آیات پر غور کیجیے۔

۱: صم بکم عمی فهم لا یعقلون۔ یہ بہرے گونگے اندھے ہیں اس لیے یہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

۲: ان شر الدواب عند الله الصم البکم الذین لا یعقلون۔ خدا کے نزدیک بدترین مخلوق وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

۳: ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون۔ اللہ ان لوگوں پر پلیدی مسلط کرتا ہے جو سمجھ سے کام نہیں لیتے

۴: وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ کفار کہیں گے کہ کاش ہم نے سنا اور عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنمی نہ بنتے۔

اللہ اکبر! کیا عقل کی تائید اور بے عقلی کی برائی میں اس سے بھی زیادہ کچھ کہا جا سکتا ہے؟ لیکن سوچیے کہ آخر دین سے عقل کو عقل سے دین کو جدا کیوں کر دیا گیا ہے۔ درآں حالیکہ دین ہی سب سے زیادہ عقل پیدا کرنا چاہتا ہے۔

ان واضح آیات کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک نہایت دلچسپ بات تو آنحضرت صلعم نے فرمائی ہے۔ امام ابن جوزی اپنی کتاب الاذکیا مطبوعہ مصر میں ایک عجیب حدیث نقل کرتے ہیں۔ جس پر غور کرنے کے بعد بے عقلی کا آخری لقمہ کٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔ اسے غور سے پڑھیے:

عن ابن عباس انه دخل علی عائشة فقال یا ام المومنین! ارأیت الرجل یقل قیامه والآخر یکثر قیامه ویقل رقاده ایهما احب الیک؟ قالت: سألت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم کما سألتنی عنه فقال: احسنهما عقلا۔ قلت یا رسول الله اسألک عن عبادتهما۔ فقال یا عائشة! انما یسألان عن عقولهما، فمن کان اعقل کان افضل فی الدنیا والآخرة۔ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ عائشہ رضی کے پاس گئے اور پوچھا کہ: ام المومنین ذرا بتائیے تو سہی

کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے اور دوسرا شب زندہ داری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے تو آپ کو ان دونوں میں کون زیادہ پسندیدہ ہے؟ عائشہؓ نے فرمایا کہ: جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے بالکل وہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا تو حضورؐ نے جواب دیا کہ: ان دونوں میں جس کی عقل زیادہ اچھی ہو۔ میں (عائشہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ان دونوں کی عبادت کے بارے میں عرض کر رہی ہوں (اور حضورؐ نے جواب دیا ہے) عقل کے بارے میں۔ حضورؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ! ان دونوں سے باز پرس تو ان کی عقلوں کے بارے میں ہوگی پس جو زیادہ عاقل ہوگا وہی افضل ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس فرمانِ نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ شب بیداری اور عبادت و ریاضت کا مقصد محض چند کلمات و حرکات یا چند مراسم کا ادا کرنا نہیں بلکہ اس کا ایک بڑا مقصد عقل و شعور اور تفقہ و بصیرت پیدا کرنا ہے۔ انما یسئلان عن عقولھما (باز پرس عقل کے بارے میں ہوگی) کا جملہ بڑا ہی معنی خیز ہے یعنی باز پرس نہ ہوگی کہ تم نے تہجد پڑھی یا نہ پڑھی؟ مگر یہ باز پرس ضرور ہوگی کہ تم نے اس تہجد سے اپنے اندر قوتِ فکریہ و عقلیہ کتنی پیدا کی اور اس سے تمہاری سمجھ بوجھ میں کیا اضافہ ہوا؟ یہ ظاہر ہے کہ اسلام اپنی عبادات کے ذریعے انسانوں کو بے عقل نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ ان میں لا انتہا ارتقا پذیر عقل و دانائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اسی جگہ ابن جوزی نے ایک اور قابلِ غور حدیث بھی یوں نقل کی ہے:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لا تعجبوا باسلام امرئ حتی تعرفوا عقدۃ عقلہ (عبد اللہ بن عمر آنحضرتؐ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ: کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو)

گویا محض عبادات ہی کا معاملہ نہیں بلکہ پورے اسلام کا مقصد بھی پائیدار عقل و دانش پیدا کرنا ہے یعنی اسلام سراپا عقل و حکمت ہے جو اپنے پیرووں کو بہرا گونگا اندھا اور بے عقل نہیں بنانا چاہتا بلکہ عاقل و فرزانہ بنانا چاہتا ہے، وہ ایسا شعور پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے اور ہر بات شعور کے ساتھ کہی جائے۔ گویا اندھی تقلید نہیں چاہتا۔ کورانہ اور غیر شعوری تقلید تو ایک ایسی لغویت ہے جس کے بارے میں مولانا رومی کو بھی "چند صد لعنت بریں تقلید باد" کہنا پڑا۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت بہت ہی

غور طلب ہے۔ قرآن میں جہاں عباد الرحمٰن کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہاں ایک صفت یوں بیان ہوئی ہے:

والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ○ (انھیں جب آیات ربانی کی یاد دلائی جاتی ہے تو ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔)

یعنی آیاتِ ربانی کو بھی بے سمجھے محض "خوش اعتقادی" سے نہیں مان لیتے بلکہ شعوری و عقلی طور پر سمجھ بوجھ کر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ یونہی اوندھے اور اندھے ہو کر حکم الٰہی پر نہیں گر پڑتے بلکہ اس کی حکمت و فلسفے کو بھی سمجھتے ہیں، تمام پہلوؤں اور مصالح کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں، انطباق کے مواقع کو بھی پہچانتے ہیں اور سیاق و سباق کی بھی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ دوسرے احکام سے اس کے فہم کا ربط بھی رکھتے ہیں۔ اور نیز اس کے اندر سے نئے نئے حقائق کے موتی نکالنے کی فکر میں بھی لگے رہتے ہیں۔ یہ ہیں معنی اندھے ہو کر نہ گرنے کے۔ یہ ساری باتیں اس لیے ہیں کہ قرآن پڑھنے والوں میں عقل و شعور اور حکمت و دانائی زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتی چلی جائے۔

اگر قرآن پر بے سمجھے بوجھے بہرے اندھے بن کر گر پڑنے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا کے کلام کے بعد انسانی کلام کی بھی بے سمجھے اندھی تقلید کی عادت پڑ جائے گی جیسا کہ آخر پڑ ہی گئی اور تقلید جامد جزو ایمان بن کر رہ گئی، حالانکہ دونوں میں فرق اور عمیق فرق قائم رہنا چاہیے تھا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کسی حکم الٰہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اسے اپنے فہم و عقل کا قصور قرار دیا جائے گا مگر اس کے پُرحکمت ہونے پر ایمان رکھنا ضروری ہوگا۔ لیکن انسانی تعبیر و تفسیر پر ایمان لانا اور بے سمجھے مان لینا ضروری نہیں۔ اگر وہ کتاب و حکمت کے مطابق نظر آئے گا تو مان لیا جائے گا، ورنہ اسے ــــ مفسر کی نیک نیتی کو مانتے ہوئے بھی ــــ رد کیا جا سکتا ہے۔

مگر ہوا یہ کہ غور و فکر کا تمام حق سلب کر لیا گیا۔ عقل و شعور اور تدبر و تفکر پر قفل ڈال دیے گئے اور اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہو سکتا تھا وہ ہوا۔ خدا کی بخشی ہوئی سب سے بڑی نعمت عقل تھی، اس سے کام نہ لیا گیا تو عقل بھی زنگ آلود ہو کر رہ گئی۔ جس نعمت سے کام نہ لیا جائے گا

اس کا یہی حشر ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اپنے اسلاف کے متعلق تقریباً وہی پوزیشن اختیار کرلی جو اہل کتاب و مشرکین نے اختیار کر لی تھی۔ ان سے جب کسی غلطی کو ترک کر کے راہ راست پہ آنے کی فرمائش کی جاتی تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ: بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبائنا ہم تو اسی بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے "بزرگوں" کو پایا ہے۔ وجدنا علیہ اٰبائنا ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا ہے ۔ یہ سب کچھ نتیجہ اسی بات کا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ہمارے اندر انتہائی عقل و دانائی پیدا کرنا چاہتا تھا اور ہم نے اسے تقلیدِ جامد سے بدل کر عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ دیا۔

اس موقع پر ایک نکتہ ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام نے ہمیں جہاں بے شمار نئی قدریں دی ہیں وہاں ایک قدر یہ بھی عطا کی ہے کہ عقل وہی عقل ہے جو سلیم ہو۔ عقلِ سلیم وہ عقل ہے جس کا مصرف صحیح اور حق ہو۔ عقل کا غلط مصرف لیا جائے تو وہ عقلِ سلیم نہیں عقلِ سقیم ہے۔ قرآن چلتے پھرتے انسانوں کو موتیٰ (مُردے) کہتا ہے اس لیے کہ زندگی کا وہ صحیح مصرف نہیں لیتے، وہ کان والوں زبان والوں اور آنکھ والوں کو صم بکم عمی (بہرے گونگے اندھے) کہتا ہے اس لیے کہ فھم لا یعقلون وہ عقلِ سلیم سے کام نہیں لیتے یعنی اپنی عقلوں کا مصرف غلط لیتے ہیں۔ عقل تو سارے منکرین و کفار بھی رکھتے تھے لیکن وہ مصرف غلط ہونے کی وجہ سے عقلِ سقیم تھی۔ بے وقوفی، بے عقلی، نادانی، جہالت اور سفاہت تھی۔ الا انھم ھم السفھاء (یہی ہیں دراصل بے وقوف) مولانا رومی کی اصطلاح میں ایسی عقلِ سقیم کو زیرکی کہتے ہیں ع

زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است!